گریزاں لمحوں سے برستا حسن
جمیل یوسف کی شاعری پر ایک نظر

ڈاکٹر زاہد منیر عامر
صدر شعبۂ اُردو
اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

JAMEEL YOUSUF AS A POET

Zahid Munir Aamir, PhD
Chairman
Department of Urdu, University of the Punjab, Lahore

Abstract

Jamil Yousaf is a renowned poet of Pakistan. He has many poetical anthologies on his credit which, inter alia, include Mauj e Sada, Gureezan, Ghazal and Shehr e Guman. He has a lucid style of writing in his critical essays which have been compiled in two books entitled Adbi Mazameen and Batain Kuch Adbi Kuch Be Adbi Ki. He is also a traveller and distinguished historian. His important books on Indo Pakistan history include Babar Se Zafar Tak, Musalmanonki Tareekh Aik Jaeza and Sir Syed Ahmad Khan. His poetry is full of aesthetics. He has an insightful attitude towards life and its details which may be called romantic. Beauty and aesthetics are reflected in abundance from his diction and style. In this article, his poetry has been discussed at length.

Keywords:

شمس تبریزی، جمیل یوسف، محمد حسین آزاد، شہر گماں، افادات مہدی، لاہور، اسلام آباد

دیوان شمس تبریزی کی ایک غزل میں کہا گیا ہے کہ اگر میری خاک سے گندم برآمد ہو تو اس گندم سے بنایا جانے والا نان کھانے والے میں مستی پیدا کردے گا اس سے اٹھایا جانے والا خمیر اور نانبائی دیوانے ہو جائیں گے جس تنور میں وہ نان پکایا جائے اس سے مستانہ ترانے سنائی دیں گے:

ز خاک من اگر گندم بر آید
از آن گر نان پزی مستی فزاید
خمیر و نانبا دیوانہ گردد
تنورش بیت مستانہ سراید

مجھے یہ اشعار جمیل یوسف صاحب کے مجموعہ شعر کے مطالعے سے یاد آئے جس کا ورق ورق محبت کا نغمہ اور لطافت کا صحیفہ ہے اور اس میں ہر جانب حسن کے جلوے بکھرے ہوئے ہیں۔ظفر علی خان نے ایک مقام پر شعر کی تعریف یوں بیان کی تھی:

شعر کیا ہے خیال کی تصویر
بال اور اس کی کھال کی تصویر
نہ فقط نقشِ عارض زیبا
نہ فقط خط و خال کی تصویر
بلکہ کل کائنات کی رونق
اور اس کے مآل کی تصویر

لیکن جمیل یوسف کے ہاں ایسا کوئی طرزِ فکر دکھائی نہیں دیتا۔وہ نہ تو کائنات کے مسائل و مآل سے کوئی دلچسپی رکھتے ہیں نہ انھیں بال کی کھال اتارنے کی فکر ہے ان کی نگاہ حسن اور اس کے جلووں پر ہے اور شاعری حسن بیان کا نام ہے۔اگر ہم ان دونو آرا میں تطبیق کرنا چاہیں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان اشعار میں کل کائنات کی رونق کو شعر کہا گیا ہے۔جمیل یوسف کے نزدیک کل کائنات کی رونق اس کا ''حسن'' ہے اور وہ اسی کے ترجمان ہیں اس لیے ان کے نزدیک شاعری کسی خیال کی ترجمانی نہیں بلکہ حسنِ بیان کا نام ہے جیسا کہ انھوں نے اپنے مجموعہ شعر کے مختصر دیباچے میں کہا ہے کہ ''شاعری بنیادی طور پر حسن بیان کا نام ہے کسی خاص موضوع کا نام نہیں۔''(۱) وہ اپنے اس قول پر پوری طرح عامل بھی دکھائی دیتے ہیں وہ کسی فلسفے،کسی فکر،کسی تصورِ حیات کا بوجھ شاعری پر نہیں ڈالتے بلکہ اسے اپنے قول کے مطابق حسن بیان کا آئینہ بنانے ہی کی فکر میں غلطاں دکھائی دیتے ہیں البتہ یہ رویہ انھیں فن کارانہ اظہار کے مطالبوں سے بے نیاز نہیں کر دیتا جیسا کہ وہ خود

کہتے ہیں کہ "شاعری حسن بیان اور فنکارانہ اظہار کا نام ہے۔" اگر چہ انھوں نے نظری سطح پر یہ خیال ضرور ظاہر کیا ہے کہ "اگر ادب انسان کی سماجی اور معاشرتی زندگی کو بیان کرتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ انسان کی مذہبی زندگی کو بیان نہ کرے۔"(۲) وہ اپنے اس خیال کی تائید میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ کوئی سماجی اور معاشی مسئلہ ایسا نہیں جو تمام انسانوں کا مشترک مسئلہ ہو مگر مذہب ہر شخص کا مسئلہ ہے"(۳) اس لیے ان کے نزدیک ہر تہذیب میں سب سے پہلی ادبی کتب مذہبی کتب ہی ہیں۔سوال یہ ہے کہ مذہبی کتب کا موضوع کیا ہے اس بات کی جانب شاید توجہ نہیں کی جاتی کہ مذہبی کتب کا موضوع بھی وہی ہے جو ادب کا موضوع ہے یعنی انسان۔ اگر اوپر بیان کیے گئے اس خیال سے اتفاق کیا جائے کہ کل کائنات کی رونق حسن ہے تو دوسرا سوال یہ ہوگا کہ حسن کیا ہے؟ صداقت کو حسن اور حسن کو صداقت قرار دینے کی بات آپ سب نے سنی ہوگی جمیل یوسف کا خیال ہے کہ "ہر وہ چیز جس سے انسان کے اندر پوشیدہ مخفی امکانات روبہ اظہار ہوں حسن کہلاتی ہے۔"(۴) اس تعریف سے اتفاق دشوار ہے کیونکہ انسان کے مخفی امکانات محض مثبت نہیں انسان میں منفی قوتوں اور امکانات کا بھی بڑا ذخیرہ بھی پوشیدہ ہے۔کیا ان کے اظہار کو بھی حسن کہا جائے گا؟ یقیناً نہیں! البتہ مناظر کے حسن کے جو جلوے جمیل یوسف کی شاعری میں ابھرتے ہیں بلاشبہ قابل توجہ ہیں:

دور افق پار سے شب پچھلے پہر
کوئی ابھرا رخِ زیبا کی طرح
بس ترے رنگِ حیا کی مانند
ہوبہو تیرے سراپا کی طرح(۵)

حسن کے یہ جلوے انھیں ہر ہر منظر میں دکھائی دیتے ہیں وہ سر شاخ کھلتے پھول ہوں یا نگاہوں میں جنم لیتے سپنے وہ ہر پہلو سے جویائے حسن دکھائی دیتے ہیں:

تو کسی پھول کسی آنکھ کے پردے میں رہا
تو نے کب اپنا حسیں چہرہ دکھایا ہے مجھے(۶)

جمیل یوسف کے لیے زندگی کی کٹھنائیاں حسن کے جلووں کے زیر سایہ سہل ہو سکتی ہیں۔وہ ہر دشواری اور ہر لمحے کی گراں باری کو حسن کی رفاقت ہی میں سہل کر لیتے ہیں زندگی کی جھلستی دھوپ سایہء زلف بتاں سے سائباں میں بدل جاتی ہے اور زندگی کا راستہ اس رفاقت سے آراستہ ہوتا ہے:

سچ تو یہ ہے اس کی یادوں سے رہا
زندگی کا راستہ آراستہ(۷)

جھلستی دھوپ سے بچنے کی صورت اور کیا ہوگی
تم اپنی زلف کھولو سائباں تخلیق کرتے ہیں(۸)

لیکن کیا زندگی اتنی سہل اور حسن کے جلوے اتنے فراواں ہیں کہ انسان کو" جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی'' کی طرح یہ سب کچھ میسر ہو؟یقیناً اس کا جواب اثبات میں نہیں ہوسکتا۔جمیل یوسف کے ہاں بھی اس کا ادراک موجود ہے لیکن ان کے ہاں حسن کی مداحی کا یہ عالم ہے کہ وہ اس کے باوصف پھر اسی کوئے ملامت کا رخ کرتے ہیں:

وہ جس سے اپنی ملاقات ہو نہیں سکتی
ہمیں اسی سے ملاقات راس آتی ہے(۹)

مہدی افادی نے "افاداتِ مہدی" میں محمد حسین آزاد کی انشاپردازی کے بارے میں لکھا تھا کہ اگر سرسید سے معقولات الگ کر لیجیے تو کچھ نہیں رہتے نذیر احمد بغیر مذہب کے لقمہ نہیں توڑ سکتے شبلی سے تاریخ لے لیجیے تو قریب قریب کورے رہ جائیں گے حالی بھی جہاں تک نثر کا تعلق ہے سوانح نگاری کے ساتھ چل سکتے ہیں لیکن آقائے اردو یعنی پروفیسر آزاد صرف انشاپرداز ہیں جن کو کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں۔(۱۰) آزاد کا کمال یہ ہے کہ وہ بغیر سہارے کے بیل چڑھا سکتے ہیں یہی معاملہ جمیل یوسف کا بھی ہے کہ وہ کسی سہارے کے بغیر شاعری کرتے ہیں ان کا فن حسن اور حسن بیان کی شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا نے ان کی شاعری پر رائے دیتے بجاطور پر اس امر کی نشان دہی کی تھی کہ وہ غیر شاعرانہ اشیا کو بھی شعری پیکر عطا کر دیتے ہیں اور اسی بنا پر انھیں جمیل یوسف کی غزل میں ایک انوکھی پاکیزگی اور طہارت کا احساس ہوتا ہے۔(۱۱)عربی میں کہا جاتا ہے کہ المرء یقیس علیٰ نفسہ انسان دوسروں کا قیاس اپنے آپ پر کرتا ہے جس کے باطن میں حسن ہے اسے باطن کے مظاہر میں بھی حسن کی جلوہ گری دکھائی دے گی ورنہ تو دنیا کو درندوں ہی کی بستی قرار دیا جاتا ہے اس لیے ان کے اس رویے کو بھی ان کے باطن میں لہراتے حسن کے سایوں ہی کی کرشمہ کاری کہنا چاہیے۔

اس سے آگے بڑھ کر جمیل یوسف کا قاری ان کے کلام میں دو چیزوں کا احساس بہت غالب پائے گا ایک تو یہ کہ کائنات کے مظاہرِ حسن کا تعلق ناظر کے داخل کی کیفیت سے ہے دیکھنے والے کی باطنی کیفیت ہی خارج کے منظر کا حسین ہونا متعین کرتی ہے:

ساقی کی چشم مست و فسوں گر میں کچھ نہ تھا
اپنے لہو کا رنگ تھا ساغر میں کچھ نہ تھا

جو تھا بس ایک حسنِ فریب خیال تھا
دیکھا تو ماہتاب کے پیکر میں کچھ نہ تھا(۱۲)

یہ احساس ان کے ہاں جا بجا دکھائی دیتا ہے۔اس کے علاوہ دوسرا احساس، جو ان کے ہاں بہت بنیادی مسئلے کی حیثیت سے ابھرتا ہے، یہ ہے کہ زندگی کا ہر لحہ، جسے وہ حسین لحہ کہہ رہے ہیں، بہت تیزی سے ہمارے ہاتھوں سے پھسلا جا رہا ہے جیسے زمانے کی مٹھی سے وقت کی ریت پھسل رہی ہو اور ہم اسے تھامنے میں ناکام ہیں۔یہ ماضی، حال، مستقبل ہمارے اپنے بنائے ہوئے تصوراتی پیمانے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔تو یہ لحہء گزراں جو تیزی سے گزرتا ہوا لحہ ہے وہ اسے اپنے قابو میں، گرفت میں لینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ احساس رکھتے ہوئے کہ گزرتے ہوئے لمحے کو گرفت میں لینا ممکن نہیں، جیسے فارسی کے ایک شاعر نے کہا تھا:

مجنون بہ ریگ بادیہ غم ہای دل شمرد
یادِ زمانہ ای کہ غمِ دل حساب داشت

مجنوں صحرا کے ذروں پر اپنے دل کے غموں کو شمار کرتے ہوئے ان دنوں کو یاد کر رہا ہے جب اس کے غموں کا کوئی شمار بھی ہوتا تھا۔تو جیسے صحرا کے ذروں کا کوئی شمار نہیں ہے اسی طرح یہ گزرتے ہوئے لمحے بھی ان گنت ہیں لیکن اِن اَن گنت لمحوں کے اندر چمکتے ہوئے ذرّے ہی زندگی کے حسن کو تخلیق کر رہے ہیں وہ ذرّے نہ ہماری گرفت میں آسکتے ہیں نہ ہمارے شمار میں آسکتے ہیں:

رکا ہوا تھا یہ دریا، گزر رہا تھا میں
یہ شائبہ مرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا(۱۳)

یعنی اس کے اندر سے ہم گزر رہے ہیں، زمانے کا یہ دریا، یہ سیلِ فنا، رُکا ہوا ہے۔جمیل یوسف صاحب کی ایک بہت کیفیت والی غزل ہے:

شام وعدہ کے گزرتے پل ذرا آہستہ چل
کیا خبر پھر کون ہوگا کل ذرا آہستہ چل(۱۴)

میں جن دنوں شام (Syria) میں تھا تو وہاں مجھے ان کا یہ شعر بہت یاد آتا تھا:

اے تھکے ہارے مسافر یہ سوادِ شام ہے
پھر کہاں یہ سرمئی آنچل ذرا آہستہ چل(۱۵)

وہاں میں نے سوادِ شام کو ملکِ شام سے بدل لیا تھا، یہ احساس کہ یہ لحہ تیزی کے ساتھ گزر رہا ہے

اور یہ ہماری گرفت سے باہر ہے ہماری دسترس میں نہیں ہے اس غزل میں بہت نمایاں ہے یا اس حوالے سے ایک اور غزل دیکھی جاسکتی ہے:

تیری یادوں کے خنک سائے یہاں رہ جائیں گے
زخم بھرجائیں گے زخموں کے نشان رہ جائیں گے
صبح کی پہلی کرن بن کر گزر جاؤ گے تم
ہم جھلتی دھوپ میں جانے کہاں رہ جائیں گے(۱۶)

تو اس میں بھی وہی احساس غالب ہے کہ وقت کا یہ کارواں ایک سیلِ بے اماں کی صورت گزر رہا ہے اور ہم اس کے روندے جانے کے بعد بچے ہوئے خس و خاشاک کی طرح ہیں اور یہ خس و خاشاک اپنی بقا کی جدوجہد میں مصروف رہتے ہیں:

تیری آہٹ کے تعاقب میں ہوں صدیوں سے رواں
راستوں کے پیچ و خم میں ٹھوکریں کھاتا ہوا(۱۷)

یا پھر ان کی ایک اور غزل ہے:

اے شبِ ہجر کوئی دیر ٹھہر
صبح کس رنگ نجانے آئے(۱۸)

یہ بھی اسی گزرتے ہوئے لمحے کا المیہ بیان کرتی ہے جو شاعر کو پریشان رکھتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ گزرتا ہوا وقت کیسے کیسے نقوش کو دھندلا دیتا ہے کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ وہ مظاہر جو بہت عظمت کے حامل ہیں۔ وہ لوگ، وہ کردار، وہ نمونے، وہ شخصیتیں، وہ عمارتیں، وہ فن پارے جو بہت عظمت کے حامل ہوتے ہیں گزرتا ہوا وقت ان کے تمام نقوش کو دھندلا کر خاک کر دیتا ہے:

وقت کی چکی میں کیسے کیسے انساں پس گئے
چہرۂ ایام پہ رنگِ ملال آیا نہیں(۱۹)

یہ احساس ان کی شاعری میں بہت غالب ہے اور غالباً اسی احساس یا اسی احساس فنا سے نپٹنے کے لیے وہ خود کو حسن و جمال میں گم کر دینا چاہتے ہیں اس لیے ان کے شعری مجموعے کا نام بھی شہرِ جمال ہونا چاہیے ویسے بھی ان کا نام خود جمیل ہے لیکن عموماً اہلِ عرب جیم کی آواز کو گاف سے بدل دیتے ہیں اس لیے انھوں نے بھی جیم کو گاف سے بدل دیا ہے اور اپنے تازہ مجموعے کے نام میں ''گماں'' کا لفظ شامل کیا ہے شاید اس لیے کہ حقیقت کی دنیا میں جمال خود ایک گماں کی حیثیت رکھتا ہے:

سحر کے دعوائے باطل کو بھول جا اے دوست!
سکوتِ شام کی سچائیوں کی باتیں کر(۲۰)

یہی احساس دیکھیے:

یہی تو زیست کا سب سے عظیم سانحہ ہے
کہ رہ گئی ہے فقط داستاں گئے وہ لوگ(۲۱)

....

بزم جہاں کا حسن جواں دیکھتے چلو
اک مہلتِ نظر ہے یہاں اور کچھ نہیں(۲۲)

....

پھول کوئی ایسا ہو، رنگ بھی ہو خوشبو بھی
خار و خس نہ ہوں جس میں ایسا گلستاں ڈھونڈیں(۲۳)

ایسا گلستاں تو ظاہر ہے کہ دنیا میں نہیں ہے لیکن شعراور تخلیق فن کا سفر اسی گلستان کی تلاش میں ہے اور جمیل یوسف اسی قافلے کے ایک اہم مسافر ہیں۔ چونکہ ان کا بنیادی مضمون تاریخ ہے اس لیے اس بات کا بہت امکان تھا کہ ان کی شاعری میں تاریخی شعور در آتا انھوں نے تاریخ پر بھی کتابیں تصنیف کی ہیں "بابر سے ظفر تک"(۲۴) یا "مسلمانوں کی سیاسی تاریخ"(۲۵) یا "سرسید احمد خان"(۲۶) تو ان کتابوں سے اور ان کے بنیادی مضمون سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ ان کی شاعری میں بھی کچھ تاریخی عناصر کا ظہور یہاں وہاں دکھائی دینے لگتا لیکن جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا کہ وہ صرف شاعر ہیں اور ان کی شاعری کسی سہارے کے بغیر شاعری ہے چنانچہ ان کے ہاں تاریخی حوالے ہمیں کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ وہ صرف اس کائنات کی رونق یعنی حسن و جمال کے شاعر ہیں اور حسن و جمال سے وابستگی اس احساس کے تحت شدید تر ہے جس کا اظہار درج بالا اشعار میں ہوتا ہے۔ وہ خوشبوؤں کی نرمی اور لہجے کی لطافتوں کی تلاش میں ہیں۔

لہجے کی لطافت اور خوشبوؤں کی سی نرمی ان کی شاعری میں جھلکتی ہے اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے جس شے کو کائنات کی رونق اور اس کا مآل سمجھا ہے یعنی حسن اور اس حسن سے خود کو وابستہ کیا ہے اور اس وابستگی کے مظاہر اپنے فن میں جا بجا بکھیرے ہیں اس نے انھیں لہجے کی نرمی بھی عطا کی ہے اور بیان کا کمال اور جمال بھی عطا کیا ہے چنانچہ ان کی غزلوں میں بہت لطیف احساس، بہت نرم اور نازک احساس کے مظاہر دیکھنے کو ملتے ہیں اگر چہ اس کے باوجود وہ کہتے ہیں:

الفاظ کی دھنک سے جھلکتا ہے خود خیال
وہ ذہن میں نہیں ہے جو لکھا کروں ہوں میں(۲۷)

یا

جب تری یاد کا تارہ نکلا
کتنے لمحاتِ گریزاں چمکے(۲۸)

یا اسی طرح ایک اور غزل:

تو کسی پھول، کسی آنکھ کے پردے میں رہا
تو نے کب اپنا حسیں چہرہ دکھایا ہے مجھے(۲۹)

یہ وہی نا تمامی اور عدم تکمیل کا احساس ہے۔اسی احساس کا اظہار ان اشعار میں ہو رہا ہے اور عمومی طور پر ان کی ساری شاعری میں ہوتا ہے لیکن ایک دوسرا احساس بھی ہے وہ اس ساری صورت حال کے بعد حسن کے گرفت میں نہ آنے پر ناکامی کا احساس ہے جس کے بعد ان کے ہاں خود اپنے آپ میں ڈوب جانے کی کیفیت ابھرتی ہے۔ان کی خود میں گم ہو جانے کی اس کیفیت سے ان کی شخصیت کو جاننے والے لوگ واقف ہیں:

اور کیا ہوتی ہمیں دنیا کی دولت کی ہوس
وہ نگاہوں کے گہر وہ لعلِ لب آنکھوں میں تھے(۳۰)

....

جمیل ہم کو کسی مے کدے سے کیا لینا
ہم اپنی موج میں ہیں یہ خمار کیا کم ہے(۳۱)

یہ ان کی شخصیت کا نمائندہ شعر بھی ہے۔

وہ جب اس کیفیت میں پہنچتے ہیں تو پھر انھیں دنیا اپنے گرد سفر کرتی دکھائی دینے لگتی ہے اور وہ کہتے ہیں:

ہر ایک نقشِ قدم سے لپٹ کے روتا ہوں
مری تلاش میں ہے اضطراب دریا کا(۳۲)

خوش قسمتی سے ہماری قومی تاریخ کے جو پچھلے چند سال گزر رہے ہیں ان میں کچھ واقعات ایسے ہوئے ہیں کہ جن سے ہمارے قومی اعتماد میں اضافہ ہوا اور انھی واقعات میں کچھ کا ذکر جمیل یوسف صاحب نے اپنی کتاب کی ابتدا میں کیا ہے اور ان سے متاثر ہو کر انھوں نے کچھ ایسی غزلیں لکھی ہیں جو ان کے عمومی مزاج

اور عمومی رنگ سے قدرے مختلف ہیں جن میں اس بنیادی موضوع سے ذرا ہٹ کر انھوں نے عصری منظر نامے پر نظر ڈالتے ہوئے مستقبل کی جھلک دیکھی اور دکھائی ہے:

یہ اک ذرہ جو چمکا ہے ستارہ ہو بھی سکتا ہے
ہمارے روزِ روشن کا اشارہ ہو بھی سکتا ہے(۳۳)

....

تو کہاں ہے خوابوں کی پنہائیاں ڈھونڈتی ہیں تجھے
دھیان کی وادیوں میں کوئی دیکھتا ہے ترا راستہ(۳۴)

....

ہے ہر اک آنکھ میں امید کا تارا روشن
آنے والی ہے کوئی اچھی خبر، آخرکار

انھوں نے وضاحت بھی کردی ہے کہ یہ جو غزلیں ہیں یہ کس پس منظر میں لکھی گئی ہیں:

رُت بدلنے کی ہوا چلنے لگی ہے ہر سُو
ختم ہے سلسلہء برق و شرر آخرکار(۳۵)

جمیل یوسف صاحب کی شاعری پڑھتے ہوئے مجھے شیخ سعدی کا "سعدیہ" یاد آتا ہے "سعدیہ" ایران کے شہر شیراز کے اس پارک کو کہتے ہیں جس میں شیخ سعدی مدفون ہیں اور وہاں جس وقت بھی آپ جائیں کچھ لوگ سعدی کا کلام گا رہے ہوتے ہیں۔ سعدی اور حافظ کے مزارات "سعدیہ" اور "حافظیہ" کا یہ خاص پہلو ہے کہ وہاں ہر وقت ان کا کلام گایا جا رہا ہے۔ کسی سرکاری انتظام میں نہیں لوگ اپنے جذب وشوق سے وہاں بیٹھے ہیں اور ان کا کلام گا رہے ہیں۔ سعدی کے اس پارک کی پیشانی پر ایک شعر لکھا ہوا ہے۔ یہ شعر مجھے جمیل یوسف صاحب کے لیے یاد آتا ہے:

ز خاکِ سعدی شیراز بوی عشق آمد
ہزار سال پس مرگ او گرش بوئی

اگر آپ سعدی کے ہزار سال بعد بھی اس کی خاک کو سونگھیں گے تو اس کی مٹی سے محبت کی خوشبو آئے گی۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) جمیل یوسف شہر گماں (غزلیات) لاہور عوامی کتاب گھر ۲۰۱۳ء ص ۶

(۲) شہر گماں، جائے مذکور — (۳) شہر گماں جائے مذکور

(۴) شہر گماں جائے مذکور — (۵) شہر گماں ص ۱۴۲

(۶) شہر گماں ص ۱۸۰ — (۷) شہر گماں ص ۱۸

(۸) شہر گماں ص ۴۸ — (۹) شہر گماں ص ۳۷

(۱۰) مہدی افادی افادات مہدی مرتبہ مہدی بیگم لاہور: شیخ مبارک علی تاجر کتب ۱۹۴۹ء ص ۲۱۳

(۱۱) ڈاکٹر وزیر آغا دائرے اور لکیریں لاہور: مکتبہ فکر و خیال ۱۹۸۶ء ص ۱۱۲

(۱۲) شہر گماں ص ۱۰۹ — (۱۳) شہر گماں ص ۱۱۲

(۱۴) شہر گماں ص ۷۳ — (۱۵) شہر گماں ص ۷۴

(۱۶) شہر گماں ص ۷۷ — (۱۷) شہر گماں ص ۱۱۳

(۱۸) شہر گماں ص ۱۱۵ — (۱۹) شہر گماں ص ۱۱۵

(۲۰) شہر گماں ص ۱۴۰ — (۲۱) شہر گماں ص ۱۴۶

(۲۲) شہر گماں ص ۱۵۳

(۲۳) جمیل یوسف بابر سے ظفر تک اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز ۲۰۱۰ء

(۲۵) جمیل یوسف مسلمانوں کی تاریخ ایک جائزہ اسلام آباد: کتاب گھر ۲۰۰۸ء

(۲۶) جمیل یوسف سرسید احمد خان؛ شخصیت و فن اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان ۲۰۰۸ء

(۲۷) شہر گماں ص ۱۷۱ — (۲۸) شہر گماں ص ۱۷۴

(۲۹) شہر گماں ص ۱۸۰ — (۳۰) شہر گماں ص ۱۸۸

(۳۱) شہر گماں ص ۱۹۱ — (۳۲) شہر گماں ص ۱۹۸

(۳۳) شہر گماں ص ۹ — (۳۴) شہر گماں ص ۲۰۳

(۳۵) شہر گماں ص ۱۲